ALLAMA IQBAL OPEN UNIVERSITY

AIOU LIBRARY
aioulibrary.com

Name:

Registration No.:

Course Code: 1969

Program: BS Islamic Studies (Spec. Qur'an & Tafsir)

Semester: Autumn 2026

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

کلیہ عربی وعلوم اسلامیہ ـــ شعبہ قرآن وتفسیر

کورس: منتخب قرآنی آیات کی تفسیری ادب کی روشنی میں تقابلی مطالعہ (2) (1969)

سطح: بی ایس علوم اسلامیہ (تخصص قرآن وتفسیر)

سمسٹر: خزاں 2026ء

امتحانی مشق نمبر 1 (یونٹ نمبر: 1 تا 5)

کل نمبر: 100 ـــ کامیابی کے نمبر: 50

Reference &For Study —SOLVED ASSIGNMENT GUIDE

نوٹ: یہ حل شدہ گائیڈ صرف مطالعہ اور رہنمائی کے لیے تیار کی گئی ہے۔ طلبہ سے گزارش ہے کہ وہ نصابی کتاب کے متعلقہ یونٹس کا مطالعہ کر کے مفاہیم کو اچھی طرح سمجھیں اور امتحانی مشق اپنے الفاظ اور اپنے اندازِ تحریر میں لکھیں، کیونکہ ہو بہو نقل کی گئی مشق قواعد کے مطابق قابلِ قبول نہیں ہوتی۔ اس گائیڈ میں تفسیری نکات کو متعلقہ تفاسیر کے مشہور مفاہیم کی روشنی میں اپنے الفاظ میں پیش کیا گیا ہے؛ کسی تفسیر کی اصل عبارت یا لفظی اقتباس کے لیے نصابی کتاب اور متعلقہ تفسیر سے براہِ راست رجوع کریں۔ جہاں کسی نکتے کی نسبت کسی مخصوص تفسیر سے کی گئی ہے، وہ اس تفسیر کے عمومی منہج اور اس سورت پر اس کے معروف مباحث کا خلاصہ ہے۔

طریقہ کار: ہر سوال کا جواب تعارف، ذیلی عنوانات کے تحت مفصل بحث، جہاں مناسب ہو تقابلی یا خلاصہ جدول، اور اختتام پر مشتمل ہے، تاکہ طالب علم تقابلی مطالعے کا مقصد ـــ یعنی مختلف مفسرین کے زاویوں کو سمجھ کر اپنا متوازن نکتہ نظر بنانا ـــ حاصل کر سکے۔

سوال نمبر 1

سورۃ الضحیٰ کی تفسیر میں ضیاء القرآن کے مصنف نے جن اہم نکات کو بیان کیا ہے ان کو تحریر کیجیے۔(20)

تعارف

سورۃ الضحیٰ قرآن مجید کی 93 ویں سورت ہے، مکی ہے اور اس کی گیارہ آیات ہیں۔ یہ سورت نبی کریم ﷺ پر وحی کے کچھ عرصہ رک جانے کے بعد نازل ہوئی اور کفارِ مکہ کی اس طعنہ زنی کے جواب میں آئی کہ (معاذ اللہ) آپ کے رب نے آپ کو چھوڑ دیا ہے۔ سورت کا پورا لہجہ تسلی، محبت اور احسانات کی یاد دہانی کا ہے، اسی لیے مفسرین اسے سیرت اور دلجوئی کی عظیم سورت قرار دیتے ہیں۔ اس سوال میں مطلوب ہے کہ تفسیر ضیاء القرآن کی روشنی میں اس سورت کے اہم نکات بیان کیے جائیں۔ ضیاء القرآن اردو کی مشہور پانچ جلدوں پر مشتمل تفسیر ہے جس کے مصنف پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمہ اللہ (1918ء تا 1998ء) ہیں، جو جامعہ الازہر کے فارغ التحصیل، صاحبِ علم و تقویٰ اور اہلِ سنت کے نامور عالم تھے۔ ان کی تفسیر کی نمایاں خصوصیات سادہ و شستہ اردو، اعتدال و توازن، سیرت و تصوف کا لطیف رنگ، اور اختلافات میں ادب و احترام کا دامن تھامے رکھنا ہیں۔ ذیل میں انہی کی تفسیر کی روشنی میں سورۃ الضحیٰ کے اہم نکات ترتیب سے پیش کیے جاتے ہیں۔

قسموں کی حکمت: والضحیٰ اور واللیل اذا سجیٰ

ضیاء القرآن میں پیر کرم شاہ صاحب نے سب سے پہلے سورت کی ابتدائی دو قسموں پر گفتگو کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے چاشت کے وقت (الضحیٰ) اور رات کی قسم کھائی ہے جب وہ چھا جائے اور سکون اختیار کرے (سجیٰ)۔ مصنف کے نزدیک ان قسموں میں ایک لطیف اشارہ چھپا ہے: جس طرح رات کے بعد دن کی روشنی ضرور آتی ہے، اسی طرح وحی کے وقفے کے بعد وحی کا سلسلہ پھر جاری ہو گا؛ اور جس طرح رات کا سکون انسان کے لیے رحمت ہے، اسی طرح یہ عارضی وقفہ بھی درحقیقت ایک حکمت اور تیاری کا دور تھا۔ انہوں نے اس نکتے کو یوں اجاگر کیا ہے کہ اللہ کی قسمیں ہمیشہ مقسم علیہ سے مناسبت رکھتی ہیں؛ یہاں دن کی روشنی وحی کی روشنی سے اور رات کا وقفہ وحی کے وقفے سے مناسبت رکھتا

ہے، اور انجام روشنی ہی کا ہے۔ اس سے طالب علم کو اصولِ تفسیر کا یہ سبق ملتا ہے کہ قرآن کی قسموں کو محض تاکید نہ سمجھا جائے بلکہ ان میں پوشیدہ مناسبت اور اشارے کو تلاش کیا جائے۔

تسلی کا مرکزی نکتہ: ماودعک ربک وما قلیٰ

سورت کی تیسری آیت "ماودعک ربک وما قلیٰ" (آپ کے رب نے نہ آپ کو چھوڑا ہے اور نہ وہ آپ سے ناراض ہوا ہے) پوری سورت کا دل ہے۔ پیر صاحب نے اس آیت کی وضاحت میں کئی نکات بیان کیے ہیں۔ اول یہ کہ لفظ "ربک" میں خاص محبت اور تربیت کا مفہوم ہے؛ جو رب بچپن سے آپ کی پرورش کرتا آیا ہے وہ اب کیوں چھوڑے گا؟ دوم یہ کہ وحی میں وقفہ ناراضی کی دلیل نہیں تھا، بلکہ اس کی حکمتیں تھیں: آپ کے قلبِ مبارک کو مزید استعداد و پختگی عطا کرنا، لوگوں کے دلوں میں وحی کی قدر و قیمت بڑھانا، اور دشمنوں کے پھیلائے ہوئے شبہات کا ازالہ کرنا کہ وحی آپ کی اپنی اختراع نہیں ورنہ وقفہ نہ آتا۔ سوم یہ کہ اس آیت میں ہر اس مؤمن کے لیے بھی تسلی ہے جو کسی مرحلے پر اللہ کی مدد میں تاخیر محسوس کرے؛ تاخیر ترکِ تعلق نہیں ہوتی۔ پیر کرم شاہ صاحب کا اسلوب یہ ہے کہ وہ آیات سے سیرت اور اخلاق کے عملی اسباق نکالتے ہیں، چنانچہ انہوں نے اس وقفے کو "آزمائش میں صبر اور حسنِ ظن" کی تربیت قرار دیا ہے۔

آخرت کا وعدہ اور رضا کی بشارت

چوتھی اور پانچویں آیت "وللآخرۃ خیر لک من الاولیٰ" اور "ولسوف یعطیک ربک فترضیٰ" کی تفسیر میں ضیاء القرآن کے اہم نکات یہ ہیں۔ مصنف کے نزدیک "آخرت" سے مراد ایک طرف آنے والا ہر اگلا مرحلہ بھی ہے اور دوسری طرف دارِ آخرت بھی؛ یعنی آپ کی ہر آنے والی گھڑی گزری ہوئی سے بہتر ہو گی — دعوت پھیلے گی، فتوحات ہوں گی، اور آخرت میں وہ مقامِ محمود اور شفاعتِ کبریٰ عطا ہو گی جو کسی اور کو نہ ملی۔ "فترضیٰ" کے مفہوم پر انہوں نے محبت بھرے انداز میں لکھنے کے مفہوم کو اپنے الفاظ میں یوں واضح کیا ہے کہ اللہ اپنے حبیب ﷺ کو اتنا عطا فرمائے گا کہ آپ اپنی امت کے حق میں بھی راضی ہو جائیں گے؛ یہاں امت کے لیے شفاعت کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے۔ یہ

نکتہ طلبہ کے لیے اہم ہے کہ تفسیر میں الفاظ کے لغوی دائرے کے ساتھ ساتھ مفسر اپنے ذوق و رجحان کے مطابق اشارے بھی بیان کرتا ہے، اور پیر صاحب کے ہاں یہ اشارہ محبتِ رسول ﷺ کی صورت میں نمایاں ہے، تاہم وہ اسے لفظ کے ظاہری معنی کے دائرے میں رہ کر پیش کرتے ہیں۔

تین نعمتوں کی یاددہانی

چھٹی تا آٹھویں آیات میں اللہ تعالیٰ نے تین نعمتوں کی یاددہانی کرائی ہے: یتیمی میں پناہ، جستجو و طلب میں ہدایت، اور محتاجی میں غنا۔ ضیاء القرآن میں ان آیات کی شرح میں خاص توجہ لفظی دقت پر دی گئی ہے۔ ’’الم یجدک یتیماً فآویٰ‘‘ میں یتیمی کے دور میں اللہ کی کفالت—دادا اور چچا کی سرپرستی—کو اللہ کی خاص تربیت قرار دیا گیا ہے۔ ’’ووجدک ضالاً فھدیٰ‘‘ کی تفسیر میں پیر صاحب نے بڑے ادب اور احتیاط کے ساتھ مفہوم واضح کیا ہے کہ یہاں ’’ضال‘‘ کا مطلب گمراہی ہرگز نہیں، کیونکہ انبیاء علیہم السلام معصوم ہوتے ہیں؛ مراد یہ ہے کہ آپ نبوت سے پہلے شریعت کی تفصیلات اور ایمان کے جزوی احوال سے واقف نہ تھے اور حق کی تلاش میں تھے، تو اللہ نے وحی کے ذریعے مکمل ہدایت عطا فرما دی۔ یہ نزاکت اردو تفاسیر میں عقیدے کے تحفظ کی خوبصورت مثال ہے۔ تیسری نعمت ’’ووجدک عائلاً فاغنیٰ‘‘ میں تجارت، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی دولت سے سہارا، اور پھر قناعت کی دولت کو ’’غنا‘‘ کے پہلوؤں کے طور پر ذکر کیا گیا ہے، اور مصنف نے یہ لطیف نکتہ بھی بیان کیا ہے کہ اصل امیری دل کی بے نیازی ہے۔

عملی احکام: یتیم، سائل اور اظہارِ نعمت

سورت کے آخری حصے میں تین عملی حکم دیے گئے ہیں: یتیم پر سختی نہ کرو، سائل کو نہ جھڑکو، اور اپنے رب کی نعمت کو بیان کرو۔ پیر کرم شاہ صاحب نے ان احکام کو محض اخلاقی نصیحت نہیں بلکہ سماجی نظام کی بنیاد قرار دیا ہے۔ انہوں نے لکھنے کے مفہوم کو اپنے الفاظ میں یوں پیش کیا ہے کہ یتیم کی کفالت کو معاشرے کی ذمہ داری اس لیے قرار دیا گیا کہ خود رسول اللہ ﷺ نے یتیمی کا دور دیکھا تھا؛ جو نعمت آپ کو یتیمی میں ملی، اسی کی شکر گزاری کا عملی تقاضا یہ ہے کہ آپ یتیموں پر شفقت کریں۔ سائل کو جھڑکنے کی ممانعت میں انہوں نے دو قسم کے سائلوں کی طرف اشارہ کیا ہے: دنیاوی حاجت کا سوال کرنے والا اور علم و ہدایت کا سوال کرنے والا؛ دونوں کا جواب نرمی سے دینا چاہیے۔ ’’واما بنعمۃ

ربک فحدث" کی تشریح میں انہوں نے اسے اظہارِ تشکر، تبلیغِ دین اور خاص طور پر وحی و نبوت کی نعمت بیان کرنے کا حکم قرار دیا ہے، اور ساتھ یہ تنبیہ بھی کی ہے کہ اظہارِ نعمت اور ریاکاری میں فرق ہے؛ نیت شکر کی ہو تو بیان بھی عبادت ہے۔

جدول 1: ضیاء القرآن کی روشنی میں سورۃ الضحیٰ کے اہم نکات — خلاصہ

ضیاء القرآن کا نمایاں نکتہ	موضوع	آیت / حصہ
قسم اور مقسم علیہ کی مناسبت؛ وقفے کے بعد روشنی کا وعدہ	قسم: دن اور رات	آیات 1 تا 2
وقفۂ وحی ناراضی نہیں، حکمت و تربیت ہے؛ لفظ ربک میں محبت	تسلی	آیت 3
ہر اگلا مرحلہ بہتر؛ عطا اس قدر کہ حبیب ﷺ راضی ہو جائیں	آخرت و رضا	آیات 4 تا 5
یتیمی میں کفالت، طلب پر ہدایت، عائل سے غنا؛ ضال کا ادب بھرا مفہوم	تین نعمتیں	آیات 6 تا 8
یتیم و سائل سے شفقت، اظہارِ نعمت بہ نیتِ شکر	عملی احکام	آیات 9 تا 11

اسلوبی خصوصیات اور تقابلی اہمیت

اس سوال کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ طالب علم ضیاء القرآن کے منہج کو پہچانے۔ پیر کرم شاہ صاحب کی تفسیر میں روایات سے استفادہ مگر اسرائیلیات سے احتراز، فقہی مسائل میں اعتدال، صوفیانہ اشارات کی نرمی، اور زبان کی صفائی نمایاں ہے۔ سورۃ الضحیٰ پر ان کی بحث میں یہ تمام رنگ دیکھے جا سکتے ہیں: تاریخی پس منظر روایات سے، لفظی بحث لغت سے، عقیدے کی نزاکت احتیاط سے، اور عملی نتیجہ اخلاق و سیرت سے۔ یہی وہ پہلو ہے کہ یہ تفسیر عام قاری اور طالب علم دونوں کے لیے یکساں مفید ہے۔ تقابلی مطالعے کے اس کورس میں اس سورت کو ضیاء القرآن سے پڑھنے کا فائدہ یہ ہے کہ طالب علم دیکھتا ہے کہ ایک ہی آیت پر ایک متوازن، سیرت دوست مفسر کس طرح تسلی و محبت کے پہلو اجاگر کرتا ہے، جبکہ کوئی دوسرا مفسر انہی آیات میں نظم، لغت یا فقہ کا پہلو زیادہ نمایاں کر سکتا ہے۔

اختتام

اختتاماً کہا جا سکتا ہے کہ ضیاء القرآن کی روشنی میں سورۃ الضحیٰ ایک مکمل نظامِ دلجوئی ہے: قسموں سے امید، ”ما ودّعک“ سے تسلی، آخرت کے وعدے سے مستقبل کی روشن تصویر، تین نعمتوں کی یاددہانی سے شکر کا جذبہ، اور آخری تین احکام سے شکر کا عملی روپ یعنی یتیم و مسکین کی خدمت اور نعمت کا اعلان۔ پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمہ اللہ نے ان نکات کو جس توازن، ادب اور سادگی سے بیان کیا ہے، وہ اس تفسیر کی پہچان ہے۔ طالب علم کے لیے اس مطالعے کا حاصل یہ ہے کہ مشکل دور میں اللہ سے بدظنی کے بجائے اس کی گزری ہوئی نعمتیں یاد کی جائیں اور شکر کو خدمتِ خلق میں ڈھالا جائے؛ یہی سورۃ الضحیٰ کا پیغام اور ضیاء القرآن کی اس بحث کا خلاصہ ہے۔

سوال نمبر 2

سورۃ الاعلیٰ کی تفسیر روح القرآن اور انوار البیان کے تقابلی مطالعے کے طور پر پیش کریں۔ (20)

تعارف

سورۃ الاعلیٰ قرآن مجید کی 87 ویں سورت ہے، مکی ہے اور اس کی انیس آیات ہیں۔ اس کا آغاز "سبح اسم ربک الاعلیٰ" سے ہوتا ہے اور اس میں تخلیق و تقدیر، وحی کی حفاظت، تذکیر کی قبولیت کا فرق، فلاح کا راستہ، اور صحفِ ابراہیم و موسیٰ علیہما السلام کا ذکر ہے۔ یہ رسول اللہ ﷺ کی محبوب سورتوں میں سے تھی اور نمازوں میں اکثر پڑھی جاتی تھی۔

اس سوال کا مقصد تقابلی مطالعہ ہے، یعنی ایک ہی سورت کی تفسیر دو مختلف تفسیروں — تفسیر روح القرآن اور تفسیر انوار البیان — کی روشنی میں پیش کر کے دونوں کے مناہج، مشترکات اور امتیازات کو سمجھنا۔ تفسیر روح القرآن ڈاکٹر محمد اسرار احمد رحمہ اللہ کی تفسیر سے، جو قرآن کی پہچان قرآن کے نظم و ترتیب پر زور، دعوتی و انقلابی زاویہ اور عصری اسلوب ہے؛ یہ ان کی عمر بھر کے دروسِ قرآن کا خلاصہ ہے۔ تفسیر انوار البیان کا رجحان اس کے نام ہی سے ظاہر ہے: لغات و بیان کی روشنی میں قرآن کے الفاظ و تراکیب کی وضاحت، یعنی لغوی، نحوی اور بلاغی پہلو کو مقدم رکھ کر مفہوم کھولنا۔ ذیل میں دونوں کی روشنی میں سورت کی تفسیر اور پھر ان کا تقابلی پیرایہ کیا جاتا ہے۔

روح القرآن کا منہج اور سورت کی تشریح

ڈاکٹر محمد اسرار احمد کا منہج یہ تھا کہ قرآن کو ایک مربوط نظامِ فکر کے طور پر پڑھا جائے؛ ہر سورت کی مرکزی دعوت کو پہچانا جائے اور اسے آج کے انسان کے مسائل سے جوڑا جائے۔ سورۃ الاعلیٰ کی تفسیر میں روح القرآن کے مطابق سورت کا مرکزی محور "تسبیح و تنزیہ" سے شروع ہو کر "تقدیر و ہدایت" اور پھر "تذکیہ و فلاح" تک جاتا ہے۔ "سبح اسم ربک الاعلیٰ" کی تشریح میں وہ اس بات پر زور دیتے ہیں کہ تسبیح صرف زبان کا وظیفہ نہیں بلکہ اللہ کو ہر نقص سے پاک مان کر اس کی عظمت کے سامنے جھکنے کا نام ہے، اور لفظ "الاعلیٰ" بتاتا ہے کہ برتر ذات صرف اللہ کی ہے، اس لیے انسان کی بندگی غیر اللہ کی طرف نہیں ہونی چاہیے۔ پھر "الذی خلق فسوّیٰ، والذی قدر فھدیٰ" میں انہوں نے تخلیق (پیدا کرنا)، تسویہ (متناسب بنانا)، تقدیر (ہر مخلوق کا اندازہ و قانون مقرر کرنا) اور ہدایت (ہر ایک کو اس کے مقصد کی طرف راہ دکھانا) کے چار مراحل کو کائنات میں جاری ایک ہمہ گیر نظام کے طور پر پیش کیا ہے اور اس سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ جس خالق نے جمادات و حیوانات کو ہدایت دی، اس نے انسان کو وحی کے بغیر نہیں چھوڑا۔

روح القرآن میں "واخرج المرعیٰ، فجعلہ غثاءً احویٰ" (سبز چارہ نکالا، پھر اسے سیاہی مائل خشک گھاس بنادیا) کو دنیا کی ناپائداری کی تمثیل کے طور پر بھی پڑھا گیا ہے، جو آگے آنے والے "بل تؤثرون الحیوٰۃ الدنیا" کی تمہید بنتا ہے۔ "سنقرئک فلا تنسیٰ" کی بحث میں ڈاکٹر صاحب نے وحی کی حفاظت کو رسالت کی دلیل کے طور پر پیش کیا ہے اور "الا ما شاء اللہ" کے استثناء کو اللہ کی مطلق قدرت کی طرف لوٹایا ہے۔ "قد افلح من تزکیٰ، وذکر اسم ربہ فصلیٰ" کی تشریح میں ان کے نزدیک فلاح کا فارمولا تین اجزا پر مشتمل ہے: تزکیۂ نفس، ذکرِ الٰہی اور نماز کی پابندی؛ اور یہی وہ عملی پروگرام ہے۔ دعوتی مفسر اپنے قاری کے سامنے رکھتا ہے۔ "بل تؤثرون الحیوٰۃ الدنیا، والآخرۃ خیر وابقیٰ" پر ان کی گفتگو عصری تناظر میں مادہ پرستی کی نقد پر مبنی ہے، اور آخری آیات میں صحفِ ابراہیم و موسیٰ کا حوالہ دے کر وہ دکھاتے ہیں کہ یہ پیغام نیا نہیں بلکہ تمام آسمانی صحیفوں کا مشترک اصول ہے، جس سے قرآن کی صداقت اور تسلسلِ وحی ثابت ہوتا ہے۔

انوار البیان کا منہج اور سورت کی تشریح

انوار البیان کا زاویہ بنیادی طور پر بیانی و لغوی ہے۔ اس قسم کی تفسیر میں سب سے پہلے الفاظ کے اصل معانی، نحوی ترکیب اور صرفی ساخت کو واضح کیا جاتا ہے، پھر قراءت و روایات کی روشنی میں مفہوم متعین ہوتا ہے۔ "سبح" کی تشریح میں "س ب ح" کے مادے سے تیرنے اور دور ہونے کے مفاہیم لے کر تسبیح کو "اللہ کو ہر ناپسندیدہ بات سے دور و پاک قرار دینا" کے معنی میں کھولا جاتا ہے۔ "اسم ربک" کی ترکیب پر یہ بحث سامنے آتی ہے کہ اسم سے مراد ذات ہے یا نام کی تسبیح سے مراد اس ذات کی تسبیح ہے جس کا یہ نام ہے؛ ایسے مقامات پر بیانی تفسیر اقوال نقل کر کے راجح مفہوم کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔ "فسویٰ" میں تسویہ کو اعضاء کی تناسب و توازن، "قدر" کو تقدیر کے لغوی مفہوم یعنی اندازہ لگانے اور مقرر کرنے، اور "فھدیٰ" کو ہر مخلوق کی فطری رہنمائی کے معنوں میں واضح کیا جاتا ہے۔ "احویٰ" جیسے مشکل لفظ پر — جس کے معنی سبز و سیاہی مائل سوکھی گھاس کے ہیں — لغوی تفصیل سے قاری کی وہ دشواری دور ہو جاتی ہے جو عام ترجمے سے حل نہیں ہوتی۔

اسی طرح "سیذکر من یخشیٰ، ویتجنبھا الاشقیٰ" میں خشیت اور شقاوت کے الفاظ کی لغوی گہرائی، "الذی یصلی النار الکبریٰ" میں "ص ل ی" کے مادے کی بحث، اور "ثم لا یموت فیھا ولا یحییٰ" کی بلاغت — یعنی موت و حیات دونوں کی نفی سے ابدی عذاب کی ہولناکی کا بیان — انوار البیان جیسی بیانی تفسیر کی خاص توجہ کا مرکز بنتے ہیں۔ صحفِ ابراہیم

وموسیٰ علیہما السلام کے مقام پر تاریخی معلومات اور روایات کا خلاصہ دیا جاتا ہے کہ یہی مضمون (تزکیہ، دنیا پر آخرت کی ترجیح) پہلے صحیفوں میں بھی تھا۔ اس منہج کا فائدہ یہ ہے کہ طالب علم لفظ کی بنیاد پر کھڑا ہو کر مفہوم تک پہنچتا ہے اور اجمال کی جگہ تفصیل ملتی ہے، البتہ دعوتی و عصری اطلاق اس منہج میں ثانوی حیثیت رکھتا ہے۔

جدول 1: روح القرآن اور انوار البیان کا تقابلی خلاصہ

پہلو	تفسیر روح القرآن	تفسیر انوار البیان
مفسر / پہچان	ڈاکٹر محمد اسرار احمد: درسِ قرآن کا خلاصہ	بیانی و لغوی مکتبِ تفسیر کی نمائندہ
بنیادی زور	نظمِ قرآن، مرکزی دعوت، عصری اطلاق	لغت، نحو، صرف و بلاغت کی وضاحت
تسبیح کی تشریح	تنزیہ کے ساتھ بندگی و عظمت کا عقیدہ	لفظ سبح کے مادے اور اسم کی ترکیب کی بحث
تقدیر و ہدایت	کائناتی نظام اور وحی کی ضرورت کا استدلال	قدر و ھدیٰ کے لغوی معانی کی تعیین
فلاح (قد افلح)	تزکیہ، ذکر و نماز کا عملی دعوتی فارمولا	تزکیٰ کے لفظی مفہوم اور فصلیٰ کی ترکیب
دنیا پر تنقید	مادہ پرستی پر عصری نقد	احویٰ والفاظ کی لغوی تشریح کے ذریعے مفہوم
قاری پر اثر	عمل و دعوت کی تحریک	متن کی درست تفہیم و لفظی پختگی

تقابلی جائزہ: مشترکات اور امتیازات

دونوں تفسیریں کئی بنیادی باتوں میں مشترک ہیں: دونوں سورت کو مکی تسلیم کرتی ہیں، دونوں کے نزدیک سورت کا بنیادی پیغام اللہ کی تنزیہ، اس کی تقدیر و ہدایت، وحی کی صداقت اور آخرت کی تیاری ہے؛ دونوں ”قد افلح من تزکیٰ“ کو سورت کا عملی حاصل قرار دیتی ہیں اور دونوں صحفِ قدیمہ کے ذکر کو قرآن کی تاریخی تصدیق سمجھتی ہیں۔ فرق نقطۂ آغاز اور منزل کے زور کا ہے۔ روح القرآن سوال یہ اٹھاتا ہے کہ یہ سورت آج کے انسان سے کیا تقاضا کرتی ہے، اس لیے اس کی تفسیر میں ربطِ کلام، دعوتی نتیجہ اور نظامِ فکر

مقدم ہے۔انوار البیان سوال یہ اٹھاتا ہے کہ متن بذاتِ خود کیا کہتا ہے،اس لیے اس میں لفظ،ترکیب اور بلاغت مقدم ہے۔طالب علم کے لیے درست روش یہ ہے کہ پہلے بیانی وضاحت سے مفہوم کو پختہ کرے اور پھر دعوتی و نظمی مطالعے سے اس کا اطلاق سیکھے؛دونوں ایک دوسرے کی تکمیل ہیں،حریف نہیں۔تقابلی مطالعے کا یہی وہ سبق ہے جو اس کورس کے عنوان میں رکھا گیا ہے۔

اختتام

خلاصہ یہ ہے کہ سورۃ الاعلیٰ کی تفسیر میں روح القرآن نے سورت کی مرکزی دعوت ۔ تسبیح،تقدیر و ہدایت،تزکیہ اور آخرت کی ترجیح — کو عصری و دعوتی انداز میں اجاگر کیا، جبکہ انوار البیان نے الفاظ و تراکیب کی لغوی و بلاغی بنیادیں فراہم کر کے مفہوم کو مستحکم کیا۔تقابلی مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلی تفسیر دل و عمل کو مخاطب کرتی ہے اور دوسری ذہن و متن کو۔جس طالب علم نے دونوں کو ساتھ پڑھا،اس کے پاس اس سورت کا مفہوم بھی پختہ ہو گا اور اس کا پیغام بھی زندہ ہو گا،اور یہی اس سوال کے جواب کا مطلوبہ حاصل ہے۔

سوال نمبر3

سورۃ المطففین کی پہلی چھ آیات کی تفسیر کو تدبر قرآن کی روشنی میں بیان کیجیے۔(20)

تعارف

سورۃ المطففین قرآن مجید کی 83 ویں سورت ہے اور اس کی چھتیس آیات ہیں۔مفسرین کی اکثریت اسے مکی قرار دیتی ہے،اگرچہ اس کے مضمون کی پختگی اور بعض روایات کی بنا پر اسے مدنی دور کے آغاز سے بھی جوڑا گیا ہے؛مشہور قول یہ ہے کہ یہ آخری مکی سورتوں میں سے ہے۔سورت کا نام اس کے پہلے ہی لفظ ”المطففین“ (ناپ تول میں کمی کرنے والے) سے لیا گیا ہے۔اس سوال میں صرف پہلی چھ آیات کی تفسیر درکار ہے اور وہ بھی تفسیر تدبر قرآن کی روشنی میں۔تدبر قرآن مولانا امین احسن اصلاحی رحمہ اللہ

(1904ء تا1997ء) کی نو جلدوں پر مشتمل اردو تفسیر ہے، جو ان کے استاد مولانا حمید الدین فراہی رحمہ اللہ کے اصولوں پر قائم ہے۔ اس تفسیر کی امتیازی بنیاد "نظمِ قرآن" ہے، یعنی قرآن کی سورتوں اور آیات میں باہمی ربط، ہر سورت کا ایک مرکزی ستون (عمود)، اور سورتوں کے جوڑوں کا نظام۔ اس لیے تدبر قرآن کی روشنی میں کسی passage کو سمجھنے کا مطلب یہ ہے کہ آیات کو ان کے سیاق، سورت کے عمود اور سابقہ ولاحقہ مباحث کے ساتھ جوڑ کر پڑھا جائے۔

سورت کا عمود اور ربط

اصلاحی صاحب کے نظام میں سورۃ المطففین سورۃ الانفطار کی جوڑی دار سورت ہے اور دونوں کا مشترکہ پس منظر قیامت، عمل کی پوری جوابدہی اور نامہ اعمال کا تحفظ ہے۔ سورۃ الانفطار میں یہ اصول دیا گیا کہ ہر انسان کے اعمال لکھے جا رہے ہیں اور جزا کا دن حق ہے؛ سورۃ المطففین اسی اصول کو ایک عملی سماجی جرم — ناپ تول میں خیانت — پر لاگو کرتی ہے۔ سورت کے دو بڑے حصے ہیں: پہلے حصے میں مطففین کی وعید اور ان کے مقابل نیک لوگوں (ابرار) کا انجام، اور دوسرے حصے میں فجار کی بدحالی کے مقابل ابرار کی نعمتوں کی تفصیل۔ پہلی چھ آیات اس پورے مضمون کی بنیاد ہیں، کیونکہ یہاں جرم کی تعریف، مجرم کی نفسیات اور اس نفسیات کی اصل جڑیں آخرت سے انکار تینوں ایک ساتھ بیان ہو گئے ہیں۔ تدبر قرآن اس ربط کو "کلام کا نظم" کہتا ہے: وعید سے آغاز اس لیے ہے کہ سماجی خیانت کو محض اخلاقی عیب نہیں بلکہ ایمان کی خرابی کی علامت قرار دیا گیا ہے۔

آیت 1: ویل للمطففین — لفظ ویل اور تطفیف

پہلی آیت میں "ویل" کا لفظ آیا ہے جس کے معنی ہلاکت، سخت وعید اور تباہی کے ہیں؛ بعض مفسرین نے اسے دوزخ کی ایک وادی کا نام بھی ذکر کیا ہے، مگر تدبر کے ہاں اصل زور لفظ کے وعیدی مفہوم پر ہے۔ "مطفف" کا مادہ "طفف" ہے جس سے مراد کنارے سے تھوڑا سا کم کر دینا ہے؛ ناپ تول میں معمولی سی کمی کرنا، ترازو کا جھکاؤ اپنے حق میں رکھنا، اور گاہک کو پورا حق نہ دینا تطفیف کہلاتا ہے۔ اصلاحی صاحب اس لفظ کی وضاحت کرتے ہوئے اس نکتے کی طرف توجہ دلاتے ہیں کہ قرآن نے بڑی ڈکیتی کے بجائے اس "معمولی" کمی کو وعید کا عنوان بنایا ہے، کیونکہ یہ جرم روزمرہ، عام اور بظاہر چھوٹا سمجھا جاتا تھا، حالانکہ اسی سے باہمی اعتماد ختم ہوتا ہے اور معیشت میں فساد پھیلتا ہے۔ ان کے

نزدیک یہ اندازِ بیان خود ایک اصلاحی اصول ہے کہ اسلام چھوٹے سمجھے جانے والے سماجی جرائم کو بھی اسی سنجیدگی سے لیتا ہے جس سنجیدگی سے بڑے جرائم کو، کیونکہ بڑا فساد ہمیشہ چھوٹی خیانتوں کی مجموعی صورت ہوتا ہے۔

آیات 2 تا 3: مجرم کی نفسیات — دوہرا معیار

دوسری اور تیسری آیت میں مطفف کی تعریف اس کے رویے سے کی گئی ہے: ”الذین اذا اکتالوا علی الناس یستوفون، واذا کالوھم او وزنوھم یخسرون“، یعنی جب لوگوں سے ناپ کر لیتے ہیں تو پورا پورا لیتے ہیں، اور جب لوگوں کو ناپ یا تول کر دیتے ہیں تو کم کر کے دیتے ہیں۔ تدبر قرآن کی روشنی میں اس تعریف کی دو خصوصیات قابلِ توجہ ہیں۔ پہلی یہ کہ قرآن نے جرم کی تعریف قانونی دفعات سے نہیں بلکہ اخلاقی نفسیات سے کی ہے: لینے میں پورا، دینے میں کم — یہ دوغلا معیار ہی تمام خیانتوں کی جڑ ہے۔ دوسری یہ کہ ”یستوفون“ اور ”یخسرون“ کے مقابل الفاظ خود بتا رہے ہیں کہ نقصان دوسرے کو پہنچایا جاتا ہے، خود کبھی گھاٹا برداشت نہیں کیا جاتا۔ اصلاحی صاحب کے استدلال کے مطابق یہی دوہرا معیار جب معاشرے میں پھیلتا ہے تو رشوت، ملاوٹ، ذخیرہ اندوزی اور فراڈ اسی کی بڑی صورتیں بن جاتی ہیں؛ اس لیے آیات کا خطاب اگرچہ اہلِ مکہ کے اس خاص رویے سے تھا جو اہلِ مدینہ کے معاملات میں بھی مشہور تھا، مگر حکم عام ہے اور ہر دور کے تاجر، اہلکار اور صاحبِ اختیار کو شامل ہے، کیونکہ منصب و اختیار بھی ایک قسم کا ”کیل و وزن“ ہے۔

آیات 4 تا 6: جڑ کی تشخیص — آخرت سے انکار

چوتھی سے چھٹی آیت سورت کی اصل دلیل ہیں: ”الا یظن اولئک انھم مبعوثون، لیوم عظیم، یوم یقوم الناس لرب العالمین“، یعنی کیا یہ لوگ یہ گمان بھی نہیں رکھتے کہ وہ ایک عظیم دن کے لیے اٹھائے جائیں گے، جس دن سب لوگ رب العالمین کے سامنے کھڑے ہوں گے۔ تدبر قرآن میں اصلاحی صاحب کی تفسیر کا سب سے اہم نکتہ یہی ہے کہ قرآن سماجی جرم کا علاج صرف قانون سے نہیں کرتا بلکہ اس کی جڑ تک جاتا ہے؛ مطفف کے دل میں یہ خیال راسخ نہیں کہ ایک دن اس کے ترازو کے سامنے اللہ کا ترازو کھڑا ہو گا۔ لفظ ”ظن“ کے انتخاب پر انہوں نے خاص توجہ دلائی ہے: یہ لوگ یقین کا انکار تو کرتے ہی ہیں، قرآن فرما رہا ہے کہ انہیں گمان تک نہیں، حالانکہ اتنے بڑے امکان پر

محض عقل بھی انسان کو محتاط کر دیتی ہے۔ "یوم عظیم" کی عظمت اور "قیام لرب العالمین" کی ہیبت کا ذکر اس احساس کو پیدا کرنے کے لیے ہے کہ اس دن ناپ تول کا حساب ذرے ذرے کے حساب سے ہو گا۔ یوں پہلی چھ آیات ایک مکمل منطقی سلسلہ بن جاتی ہیں: جرم کی وعید، جرم کی نفسیات، اور نفسیات کی جڑ کا علاج یعنی عقیدۂ آخرت۔

جدول 1: پہلی چھ آیات — تدبر قرآن کی روشنی میں خلاصہ

آیت	متن کا مفہوم	تدبر قرآن کا نمایاں نکتہ
1	ناپ تول میں کمی کرنے والوں کے لیے ہلاکت	چھوٹی خیانت بھی بڑی وعید کی مستحق؛ سماجی فساد کی جڑ
2	لینے پر پورا پورا لیتے ہیں	جرم کی تعریف نفسیات سے: اپنے لیے پورا معیار
3	دینے میں کم کر دیتے ہیں	دوہرا معیار تمام خیانتوں کی اصل صورت
4	کیا انہیں اٹھائے جانے کا گمان بھی نہیں؟	لفظ ظن پر توجہ؛ یقین تو دور، گمان بھی غائب
5	ایک عظیم دن کے لیے	دن کی عظمت کا احساس ہی جرم سے روکتا ہے
6	جس دن لوگ رب العالمین کے سامنے کھڑے ہوں گے	اللہ کے ترازو کے سامنے انسانی ترازو کی جوابدہی

عصری اطلاق اور سبق

تدبر قرآن کا اسلوب یہ ہے کہ مفہوم کی تعیین کے بعد اس کا اطلاق فطری طور پر قاری کے سامنے آ جاتا ہے۔ آج کے دور میں تطفیف کی صورتیں بدل گئی ہیں مگر نفسِ جرم وہی ہے: پٹرول اور گیس کی مقدار میں کمی، بجلی و گیس کے میٹروں سے کھیل، اشیاء کے وزن اور مقدار میں کمی، آن لائن تجارت میں غلط بیانی، ملازمت میں کام چوری اور سرکاری وسائل کا ذاتی استعمال — یہ سب اسی دوہرے معیار کی شاخیں ہیں۔ اصلاحی مکتب کے نزدیک ان کا پائیدار علاج محض جرمانے نہیں بلکہ عقیدۂ آخرت کی تربیت ہے، کیونکہ جس

دل میں "یقوم الناس لرب العالمین" کا یقین زندہ ہو، وہ پوشیدہ خیانت سے بھی رک جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پہلی چھ آیات میں قانون کی کوئی دفعہ نہیں دی گئی، بلکہ عقیدے کی بنیاد مضبوط کی گئی ہے؛ یہ قرآن کے اصلاحی منہج کی پہچان ہے جسے تدبر قرآن نے نہایت خوبی سے اجاگر کیا ہے۔

اختتام

اختتاماً یہ کہا جا سکتا ہے کہ سورۃ المطففین کی پہلی چھ آیات کی تفسیر تدبر قرآن کی روشنی میں ایک منظم بحث بن جاتی ہے: سورت کا عمود آخرت کی جوابدہی ہے، ویل کی وعید سماجی خیانت کی سنگینی ظاہر کرتی ہے، درمیانی آیات مجرم کی دوغلی نفسیات کو بے نقاب کرتی ہیں، اور آخری آیات اس نفسیات کی جڑ یعنی آخرت سے غفلت کی نشاندہی کر کے اس کا علاج پیش کرتی ہیں۔ امین احسن اصلاحی رحمہ اللہ کا طریقہ یہ ہے کہ وہ الفاظ کو ان کے نظم میں رکھ کر دکھاتے ہیں کہ قرآن کا کوئی لفظ بے وجہ نہیں اور کوئی آیت اپنے سیاق سے الگ نہیں۔ طالب علم جب اس روشنی میں ان آیات کو پڑھتا ہے تو اسے صرف ترجمہ نہیں ملتا بلکہ سوچنے کا ایک انداز بھی ملتا ہے، اور یہی تدبر قرآن کی سب سے بڑی خدمت ہے۔

سوال نمبر 4

سورۃ الم نشرح کا مرکزی مضمون کتاب میں ذکر کردہ مفسرین کی آراء کی روشنی میں واضح کیجیے۔ (20)

تعارف

سورۃ الم نشرح، جسے سورۃ الشرح اور سورۃ الانشراح بھی کہا جاتا ہے، قرآن مجید کی 94 ویں سورت ہے، مکی ہے اور اس کی آٹھ آیات ہیں۔ یہ سورۃ الضحیٰ کی جوڑی دار سورت ہے؛ پہلی سورت میں احسانات گنوائے گئے تھے، اس سورت میں انہی احسانات کو ایک اور انداز سے بیان کر کے مستقبل کی روشن ضمانت دی گئی ہے۔ اس سوال میں مطلوب ہے کہ سورت کا مرکزی مضمون ان مفسرین کی آراء کی روشنی میں واضح کیا جائے جن کا ذکر نصابی کتاب میں آیا ہے۔ نصابی کتاب میں عموماً کلاسیکی مفسرین — جیسے طبری، زمخشری،

رازی، قرطبی، ابنِ کثیر —اور اردو مفسرین —جیسے اشرف علی تھانوی (بیان القرآن)، مفتی محمد شفیع (معارف القرآن)، پیر محمد کرم شاہ (ضیاء القرآن)، امین احسن اصلاحی (تدبر قرآن) اور ڈاکٹر اسرار احمد (بیان القرآن / روح القرآن) —کے اقوال سے استفادہ کیا جاتا ہے۔ اس جواب میں مرکزی مضمون کی تعیین کے بعد اہم مقامات پر مفسرین کی آراء کا خلاصہ پیش کیا جائے گا، اور جہاں اقوال میں تنوع ہے وہاں اسے علمی امانت کے ساتھ بیان کیا جائے گا؛ یہ تمام آراء وہ معروف مباحث ہیں جو ان تفاسیر میں اس سورت کے تحت پائی جاتی ہیں اور جن کا حتمی مطالعہ اصل تفاسیر سے کرنا چاہیے۔

مرکزی مضمون کی تعیین

مفسرین کی تقریباً متفقہ رائے ہے کہ سورت کا مرکزی مضمون "اللہ کی نعمتوں کی یاددہانی کے ذریعے رسول اللہ ﷺ کی دلجوئی، اور مشقت کے ساتھ آسانی کی اٹل ضمانت" ہے۔ سورت تین حصوں میں منقسم ہے: پہلی تین آیات میں تین احسانات (سینے کی وسعت، بوجھ کا اترنا، ذکر کی بلندی)، اگلی دو آیات میں عالمگیر اصول (ہر تنگی کے ساتھ آسانی)، اور آخری دو آیات میں اس نعمت کا عملی شکر (فراغت کے بعد عبادت میں مشقت اور رب کی طرف رغبت)۔ اصلاحی صاحب کے نظم کے اصول کے مطابق یہ سورت سورۃ الضحیٰ کی تکمیل ہے: وہاں سوالیہ انداز میں نعمتیں یاد کرائی گئی تھیں، یہاں خبریہ انداز میں ان کا اعلان ہے، اور دونوں سورتوں کا مشترکہ پیغام یہ ہے کہ اللہ نے اپنے رسول ﷺ کو کبھی اکیلا نہیں چھوڑا۔ ڈاکٹر اسرار احمد اسے دعوتِ دین کے کارکنوں کے لیے بھی حوصلے کی سورت قرار دیتے ہیں، کیونکہ جس اصول پر رسول اللہ ﷺ کو تسلی دی گئی، اسی اصول پر ہر دور کے اہلِ حق کو استقامت ملتی ہے۔

شرحِ صدر پر مفسرین کی آراء

پہلی آیت "الم نشرح لک صدرک" (کیا ہم نے آپ کا سینہ آپ کے لیے کشادہ نہیں کر دیا؟) پر مفسرین کی دو بڑی آراء مشہور ہیں۔ پہلی رائے روایتی ہے جسے ابنِ کثیر رحمہ اللہ نے روایات کی بنیاد پر اختیار کیا: شرحِ صدر سے مراد وہ عینی واقعہ بھی ہے جس میں فرشتوں نے آپ ﷺ کا سینہ مبارک کھول کر دل کو نکالا، دھویا اور ایمان و حکمت سے بھرا —بچپن میں اور پھر معراج کے موقع پر ہونے والے اس واقعے کی روایات صحیح احادیث میں موجود ہیں۔ دوسری رائے معنوی ہے جسے رازی رحمہ اللہ سمیت بہت سے مفسرین

نے اجاگر کیا: شرحِ صدر سے مراد قلب کو نور، سکینت، نبوت کے بوجھ کو اٹھانے کی استعداد اور حق کو قبول کرنے کی وسعت عطا فرمانا ہے۔ قرطبی رحمہ اللہ نے دونوں پہلوؤں کو جمع کیا ہے۔ بیشتر محققین کی جمع بندی یہی ہے کہ ظاہری واقعہ بھی حق ہے اور اس کے ساتھ معنوی وسعت بھی مراد ہے؛ کیونکہ عربی میں شرحِ صدر کا استعمال اصل میں یہی معنوی مفہوم ہے اور واقعۂ شق اس کا محسوس اظہار تھا۔ اردو مفسرین میں مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ نے معارف القرآن میں اسی جمع کو اختیار کیا اور پیر کرم شاہ صاحب نے ضیاء القرآن میں شرحِ صدر کو قابلیتِ رسالت کی عظیم نعمت قرار دیا ہے۔

وزر (بوجھ) کے مفہوم پر آراء

دوسری آیت "ووضعنا عنک وزرک، الذی انقض ظھرک" (اور ہم نے آپ سے آپ کا وہ بوجھ اتار دیا جس نے آپ کی کمر جھکا دی تھی) پر مفسرین کی آراء خاص طور پر قابلِ توجہ ہیں، کیونکہ انبیاء علیہم السلام کی عصمت کے عقیدے کے ساتھ اس بوجھ کی تعیین ضروری تھی۔ طبری رحمہ اللہ نے متقدمین کے اقوال نقل کیے ہیں جن میں ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد جاہلیت کے دور کی عمومی حالت کا وہ بوجھ تھا جو ہر حساس دل پر ہوتا ہے۔ رازی رحمہ اللہ نے متعدد احتمالات گنا کر اس رائے کو وزن دیا ہے کہ بوجھ سے مراد رسالت کی ذمہ داریوں اور امت کے غم کا بوجھ ہے، جو وحی کی تائید اور فتوحات سے ہلکا ہوتا چلا گیا۔ زمخشری رحمہ اللہ نے اسے گناہوں کی مغفرت سے تعبیر کرنے والوں کے قول کے ساتھ بلاغی تشریح بھی کی ہے۔ اردو مفسرین میں تھانوی رحمہ اللہ اور مفتی شفیع رحمہ اللہ نے اس نکتے کو واضح کیا ہے کہ یہاں کوئی ثابت شدہ گناہ مراد نہیں، بلکہ مراد یا تو نبوت سے قبل کا وہ دور ہے جس میں آپ ﷺ عبادت و راہِ حق کی تلاش میں فکر مند رہتے تھے، یا امت کی ہدایت کی وہ شدید فکر جو آپ کی کمر جھکائے رکھتی تھی، اور اللہ نے کامیابیاں عطا کر کے اسے اتار دیا۔ درس کا حاصل یہ ہے کہ مفسرین نے لغت، عقیدے اور سیرت تینوں کی رعایت رکھ کر گفتگو کی ہے۔

رفعِ ذکر اور مع العسر یسرا

تیسری آیت "ورفعنا لک ذکرک" (اور ہم نے آپ کا ذکر آپ کے لیے بلند کر دیا) پر مفسرین نے اذان، اقامت، خطبے، تشہد اور کلمے میں آپ ﷺ کے نام کی شمولیت کو اس رفع کی محسوس صورت قرار دیا ہے؛ زمخشری رحمہ اللہ نے اسے یوں بیان کیا کہ اللہ نے اپنے نام کے ساتھ آپ کا نام جوڑ دیا۔ پانچویں اور چھٹی آیت "فان مع العسر یسراً، ان مع

العسر یسراً" سورت کا دل اور اس کے مرکزی مضمون کی چابی ہے۔ اس آیت کی تفسیر میں رازی رحمہ اللہ نے اس مشہور قاعدے کی طرف توجہ دلائی ہے کہ "العسر" دونوں جگہ معرفہ آیا ہے اس لیے ایک ہی تنگی مراد ہے، جبکہ "یسرا" نکرہ آیا ہے اس لیے دو الگ آسانیاں مراد ہیں؛ اسی سے وہ قول نکلا کہ ایک تنگی دو آسانیوں پر غالب نہیں آسکتی۔ ابنِ کثیر رحمہ اللہ نے اس آیت کے ساتھ اس مضمون کی احادیث و آثار نقل کیے ہیں کہ تنگی کے ساتھ کشادگی آتی ہے اور صبر کے ساتھ مدد۔ مفسرین کی اس بحث سے مرکزی مضمون پوری طرح روشن ہو جاتا ہے: سورت مایوسی کی مکمل نفی کرتی ہے اور بتاتی ہے کہ اللہ کی سنت یہ ہے کہ مشکل درحقیقت آسانی کو اپنے ساتھ لیے ہوئے آتی ہے، آسانی مشکل کے بعد الگ سے نہیں آتی، بلکہ "مع" کے لفظ کے مطابق اس کے ہمراہ ہوتی ہے۔

جدول 1: اہم مقامات پر مفسرین کی آراء کا خلاصہ

مقام	نمایاں آراء	راجح / جمع بندی
شرحِ صدر (آیت 1)	شقِ صدر کا واقعہ (ابنِ کثیر)؛ معنوی وسعت و نور (رازی)	دونوں مراد: واقعہ بھی، معنوی استعداد بھی
وزر (آیات 2 تا 3)	قبل نبوت کی فکر؛ رسالت و امت کا بوجھ؛ مغفرت	عصمت کی رعایت کے ساتھ بوجھِ فکر و ذمہ داری مراد
رفعِ ذکر (آیت 4)	اذان و خطبہ و کلمہ میں نام کی شمولیت (زمخشری و دیگر)	اللہ کے نام کے ساتھ نام کا جوڑا جانا
مع العسر یسرا (آیات 5 تا 6)	ایک عسر، دو یسر کا قاعدہ (رازی)؛ آثار و احادیث (ابنِ کثیر)	تنگی کے ساتھ ہی آسانی کی اٹل سنتِ الٰہی

آخری احکام اور مرکزی مضمون کی تکمیل

آخری دو آیات "فاذا فرغت فانصب، والیٰ ربک فارغب" (پھر جب آپ فارغ ہوں تو عبادت میں محنت اٹھائیے اور اپنے رب ہی کی طرف رغبت کیجیے) مرکزی مضمون کو عمل سے جوڑتی ہیں۔ مفسرین نے "فراغت" کے مفہوم میں تبلیغ و جہاد کے کاموں سے فراغت اور نماز و دعا کی طرف رجوع کو ذکر کیا ہے؛ قرطبی رحمہ اللہ نے اس مقام پر نماز، دعا اور ذکر کے اقوال جمع کیے ہیں۔ اردو مفسرین نے یہ سبق نکالا ہے کہ عمل کا شکر الفاظ سے نہیں بلکہ بڑھتی ہوئی عبادت اور یکسوئی سے ادا ہوتا ہے۔ یوں پوری سورت کا مرکزی مضمون ایک جملے میں یہ بنتا ہے: اللہ نے اپنے حبیب ﷺ کے سینے کو کشادہ کیا، بوجھ اتارا، ذکر بلند کیا، اور ہمیشہ کے لیے یہ اصول دے دیا کہ ہر تنگی کے ساتھ آسانی ہے؛ اس کا تقاضا یہ ہے کہ انسان فارغ اوقات کو غفلت کے بجائے عبادت و رغبتِ الٰہی میں گزارے۔ یہی مضمون سورۃ الضحیٰ کے ساتھ مل کر قرآن کی تسلی بخش تعلیمات کا روشن باب بنتا ہے۔

اختتام

اختتاماً ثابت ہوتا ہے کہ سورۃ الم نشرح کا مرکزی مضمون تمام مفسرین کے ہاں "احساناتِ الٰہی کی روشنی میں تسلی، امید اور عمل" ہے۔ شرحِ صدر، وضعِ وزر اور رفعِ ذکر پر مفسرین کی آراء میں تنوع ضرور ہے مگر وہ تنوع تضاد نہیں تکمیل ہے: کوئی واقعے کی تصدیق کرتا ہے، کوئی معنوی گہرائی کھولتا ہے، کوئی بلاغت دکھاتا ہے اور کوئی فقہی و عقائدی نزاکت کی حفاظت کرتا ہے۔ "مع العسر یسرا" پر سب کا اتفاق ہے کہ یہ آیت اس سورت کی روح ہے۔ طالب علم کے لیے اس مطالعے کا فائدہ دوگنا ہے: ایک طرف سورت کا مفہوم پختہ ہوتا ہے اور دوسری طرف یہ اندازہ ہوتا ہے کہ صدیوں کے مفسرین ایک ہی متن سے کس طرح اپنے اپنے زاویے سے روشنی حاصل کرتے رہے ہیں، اور یہی تقابلی مطالعے کا مقصد ہے۔

سوال نمبر 5

سورۃ القدر کے اہم تفسیری نکات الکوثر فی تفسیر القرآن کی روشنی میں تحریر کیجیے۔ (20)

تعارف

سورۃ القدر قرآن مجید کی 97 ویں سورت ہے اور اس کی پانچ آیات ہیں۔ مفسرین کی بڑی تعداد اسے مکی قرار دیتی ہے، اگرچہ بعض نے اسے مدنی بھی کہا ہے۔ اس سورت کا موضوع لیلۃ القدر کی عظمت ہے، وہ مبارک رات جس میں قرآن مجید کا نزول شروع ہوا اور جس کی عبادت ہزار مہینوں کی عبادت سے بہتر قرار دی گئی۔ اس سوال میں مطلوب ہے کہ اس سورت کے اہم تفسیری نکات ”الکوثر فی تفسیر القرآن“ کی روشنی میں تحریر کیے جائیں۔ الکوثر فی تفسیر القرآن معاصر اردو تفاسیر میں سے ایک مفصل تفسیر ہے جس کے مصنف استاد محسن علی نجفی ہیں، جو پاکستان کے معروف عالم ہیں اور جن کی یہ تفسیر آیات میں عقلی استدلال، قرآن و سنت کے دلائل اور اہلِ بیت علیہم السلام سے مروی تفسیری روایات کو یکجا کرنے کے لیے جانی جاتی ہے۔ اس تفسیر کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ ہر سورت میں لغوی تحقیق، تاریخی پس منظر، روایات کا تنقیدی جائزہ اور عملی پیغام کو ساتھ ساتھ لے کر چلتی ہے۔ ذیل میں انہی خطوط پر سورۃ القدر کے اہم نکات پیش کیے جاتے ہیں؛ واضح رہے کہ یہ نکات اس تفسیر کے معروف منہج اور اس سورت پر اس کے عمومی مباحث کا اپنے الفاظ میں خلاصہ ہیں، اصل عبارات کے لیے تفسیر سے براہِ راست رجوع ضروری ہے۔

انا انزلناہ فی لیلۃ القدر: نزولِ قرآن کا نکتہ

پہلی آیت کا پہلا اہم نکتہ ”انزلناہ“ کی ضمیر کا مرجع ہے۔ الکوثر میں اس بحث کو اس طرح پیش کیا گیا ہے کہ ضمیر کا مرجع قرآن مجید ہے، اگرچہ اس سورت میں قرآن کا نام صراحتاً نہیں آیا، کیونکہ ذہنِ قاری میں یہ بات پہلے سے راسخ ہے کہ انزال کا سب سے عظیم موضوع قرآن ہی ہے؛ سورۃ البقرہ میں ”شھر رمضان الذی انزل فیہ القرآن“ اور سورۃ الدخان میں ”انا انزلناہ فی لیلۃ مبارکۃ“ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے۔ دوسرا نکتہ انزال اور تنزیل کا فرق ہے: انزال سے مراد ایک دفعہ کا اتارنا اور تنزیل سے مراد بتدریج اتارنا۔ اس بنیاد پر اہم تفسیری بحث یہ سامنے آتی ہے کہ شبِ قدر میں قرآن کا انزال کس صورت میں ہوا؛ مشہور تفسیری آراء یہ ہیں کہ قرآن پہلے لوحِ محفوظ سے آسمانِ دنیا کی طرف یکجا نازل ہوا اور پھر وہاں سے تیئس برس میں بتدریج رسول اللہ ﷺ پر اترتا رہا، یا یہ کہ نزول کا آغاز ہی اسی رات ہوا۔ الکوثر میں ان آراء کو روایات اور قرآنی شواہد کی روشنی میں پیش کر کے یہ نتیجہ اجاگر کیا جاتا ہے کہ بہر صورت شبِ قدر قرآن کی رات ہے، اس لیے اس رات کی اصل عبادت قرآن سے تعلق کی تجدید ہے۔

لیلۃ القدر کی عظمت: وماادراک مالیلۃ القدر

دوسری آیت میں "وماادراک مالیلۃ القدر" کا اسلوبِ استفہام تعظیم کے لیے ہے۔ الکوثر کی روشنی میں اس آیت کے نکات میں سے ایک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس رات کی حقیقت کو انسانی ادراک سے بالاتر قرار دے کر اس کی عظمت کو لامحدود کر دیا ہے؛ جب کہا جائے کہ "تم کیا جانو کہ یہ رات کیا ہے" تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس کی برکات گنتی اور پیمائش سے باہر ہیں۔ دوسرا نکتہ "قدر" کے لفظ کی بحث ہے: قدر کے معنی تقدیر و فیصلے بھی ہیں اور عظمت و منزلت بھی۔ پہلے معنی کے لحاظ سے یہ وہ رات ہے جس میں سال بھر کے امور کے فیصلے (سورۃ الدخان کی تعبیر میں "فیھا یفرق کل امر حکیم") فرشتوں کے سپرد کیے جاتے ہیں، اور دوسرے معنی کے لحاظ سے یہ عظمت و قدر والی رات ہے۔ الکوثر میں دونوں مفاہیم کو باہم مربوط کیا گیا ہے: یہ رات اس لیے باعظمت ہے کہ اس میں تقدیریں لکھی جاتی ہیں اور قرآن نازل ہوا، اور یہی دو باتیں بندے کے لیے اس رات کو عبادت و دعا میں گزارنے کی سب سے بڑی ترغیب ہیں۔

خیر من الف شھر: ہزار مہینوں کا حساب

تیسری آیت "لیلۃ القدر خیر من الف شھر" پر الکوثر کے اہم نکات میں سے پہلا یہ ہے کہ ہزار مہینے تقریباً تراسی برس بنتے ہیں، جو ایک پوری انسانی عمر کے برابر ہے؛ گویا ایک رات کی قبول شدہ عبادت عمر بھر کی عبادت سے بڑھ سکتی ہے، یہ اللہ کا اس امت پر خاص فضل ہے جس کی عمریں پچھلی امتوں سے کم ہیں۔ دوسرا نکتہ یہ ہے کہ "خیر" کا لفظ مبہم رکھا گیا ہے، یعنی یہ نہیں بتایا گیا کہ کس اعتبار سے بہتر ہے، تاکہ بھلائی کے تمام پہلو شامل ہو جائیں: ثواب میں زیادتی، دعاؤں کی قبولیت، گناہوں کی مغفرت اور تقدیر کے اچھے فیصلے سب اس میں داخل ہیں۔ تیسرا نکتہ اس بحث سے متعلق ہے کہ یہ فضیلت اس رات میں عبادت کرنے والے کو ملتی ہے، محض رات کے گزر جانے سے نہیں؛ اسی لیے احادیث میں (ان کے مفہوم کے مطابق) اس رات کو ایمان اور ثواب کی نیت سے قیام کرنے والے کے پچھلے گناہوں کی مغفرت کی بشارت دی گئی ہے۔ تفسیر کا یہ انداز طالب علم کو سکھاتا ہے کہ عددی فضائل کے پیچھے عملی تقاضا ہمیشہ پوشیدہ ہوتا ہے۔

تنزل الملائکۃ والروح: فرشتوں اور روح کا نزول

چوتھی آیت "تنزل الملائکۃ والروح فیھا باذن ربھم من کل امر" پر الکوثر میں کئی نکات بیان کیے گئے ہیں۔ اول یہ کہ "تنزل" کا لفظ تسلسل کو ظاہر کرتا ہے، یعنی فرشتے ساری رات آتے جاتے رہتے ہیں، ایک بار آ کر ختم نہیں ہو جاتے۔ دوم یہ کہ "الروح" سے اکثر مفسرین کے نزدیک جبریل علیہ السلام مراد ہیں، جن کا الگ سے ذکر ان کی عظمت کی وجہ سے کیا گیا ہے، اگرچہ بعض نے روح کو فرشتوں کی ایک عظیم قسم بھی کہا ہے۔ سوم یہ کہ "من کل امر" کا مفہوم یہ ہے کہ فرشتے ہر اس حکم و فیصلے کے ساتھ اترتے ہیں جو اس سال کے لیے مقدر کیا گیا ہے، اور "باذن ربھم" کی قید بتا رہی ہے کہ کائنات کا پورا نظام اللہ کے اذن کے تابع ہے۔ چہارم یہ کہ زمین پر اس رات فرشتوں کی کثرت اس قدر ہوتی ہے کہ روایات میں (مفہوماً) اس رات کو فرشتوں کی تعداد کنکریوں سے بھی زیادہ بتائی گئی ہے۔ الکوثر میں ان مباحث کو عقیدے کی اس بنیاد سے جوڑا گیا ہے کہ فرشتوں پر ایمان اور ان کی ڈیوٹیوں کا تصور قرآن میں بار بار اس لیے آتا ہے تاکہ انسان خود کو اس کائنات میں اکیلا اور بے خبر نہ سمجھے۔

سلام ھی حتیٰ مطلع الفجر اور شبِ قدر کی تعیین

پانچویں آیت "سلام ھی حتیٰ مطلع الفجر" کی تشریح میں الکوثر کے نکات میں سے نمایاں یہ ہے کہ یہ رات سراپا سلامتی ہے: شیاطین کی شرارت سے، آفات سے، اور مؤمن کے لیے ہر قسم کے خوف سے محفوظ؛ اور بعض مفسرین کے مطابق اس میں یہ مفہوم بھی ہے کہ فرشتے اہلِ عبادت کو سلام کہتے ہوئے گزرتے ہیں۔ یہ سلامتی طلوعِ فجر تک جاری رہتی ہے، اس لیے رات کا ہر لمحہ قیمتی ہے۔ شبِ قدر کی تعیین کے سوال پر الکوثر میں مختلف اقوال و روایات کا جائزہ لیا گیا ہے: مشہور و راجح موقف یہ ہے کہ یہ رمضان المبارک کے آخری عشرے کی طاق راتوں میں سے کوئی رات ہے، اور اسی لیے اسے مخفی رکھا گیا تاکہ پوری طاق راتوں میں عبادت کا اہتمام ہو؛ ستائیسویں رات کے بارے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعض اقوال و آثار مشہور ہیں مگر حتمی تعیین سے احتراز ہی علماء کا عام موقف رہا ہے۔ الکوثر کی خصوصیت کے مطابق اس بحث میں عباسی دور سے منسوب بعض تاریخی تعبیرات کو بھی ذکر کر کے ان کا علمی جائزہ لیا جاتا ہے، اور آخر میں عملی نتیجہ یہی نکالا جاتا ہے کہ تلاش آخری عشرے کی تمام طاق راتوں میں ہونی چاہیے۔

جدول 1: سورۃ القدر کے اہم تفسیری نکات — الکوثر کی روشنی میں خلاصہ

آیت	موضوع	نمایاں تفسیری نکتہ
1	نزولِ قرآن	ضمیر کا مرجع قرآن؛ انزال و تنزیل کا فرق؛ شبِ قدر قرآن کی رات
2	تعظیم	وما ادراک کا اسلوب؛ قدر بمعنی تقدیر بھی اور عظمت بھی
3	فضیلت	ہزار مہینے یعنی ایک عمر؛ خیر کا ابہام تمام بھلائیوں پر محیط
4	فرشتوں کا نزول	تنزل میں تسلسل؛ روح سے مراد جبریل؛ من کل امر یعنی تقدیری فیصلے
5	سلامتی	رات سراپا سلام؛ فضیلت طلوعِ فجر تک؛ تلاش آخری عشرے میں

اختتام

اختتاماً یہ کہا جا سکتا ہے کہ سورۃ القدر کے اہم تفسیری نکات الکوثر فی تفسیر القرآن کی روشنی میں تین بڑے مراکز کے گرد گھومتے ہیں: قرآن کا نزول، تقدیر کے فیصلے، اور عبادت کی بے مثال فضیلت۔ اس تفسیر نے لغوی بحث، روایات کے جائزے اور قرآنی ربط کو ملا کر یہ واضح کیا ہے کہ یہ رات محض ایک رسمی تاریخ نہیں بلکہ بندے کے لیے سال بھر کی

روحانی تجدید کا موقع ہے۔ طالب علم کے لیے سب سے عملی سبق یہی ہے کہ شبِ قدر کی اصل تیاری رمضان کے آخری عشرے میں قیام، تلاوت، دعا اور بطورِ خاص اپنی تقدیر کے اچھے فیصلوں کی طلب ہے، اور سورت کا آخری لفظ "الفجر" اس طرف بھی اشارہ ہے کہ جس نے یہ رات پالی، اس کی زندگی میں ہدایت کی صبح طلوع ہو جاتی ہے۔

AIOU LIBRARY
aioulibrary.com
AIOU LIBRARY